ڈاکٹر عطیہ فیض بلوچ
وزٹنگ فیکلٹی، شعبۂ اردو، بلوچستان یونی ورسٹی
مس گل غٹئی
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبۂ اردو، بلوچستان یونی ورسٹی
مسز تنزیلہ ناز
لیکچرر، شعبۂ اردو، بلوچستان یونی ورسٹی

انشاءاللہ خان انشا کے تجربات کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ

Abstracts

The analytical and critical retrospect of Inshallah Khan Insha's work

By Dr. Atiya Faiz Baloch, Vising faculty, Department of Urdu, University of Balochistan.

Ms. Gul Ghatai, Assistant Professor, Department of Urdu, University of Balochistan.

Mrs. Tanzila Naz, Lecturer, Department of Urdu, University of Balochistan.

Syed Insha is a famous Urdu poet and prose writer. He was born in Murshidabad, India. His father's name is Mir Mashallah Khan, Syed Insha's grandfather was Mir Noor Ullah Hakim. Belonging to a scholarly and literary family. He spoke Turkish, Hindi, Arabic, Porbi, Pashto, Punjabi, Kashmiri and Bengali fluently. Thanks to this linguist, he works in prose. In prose Syed Insha wrote two stories. In both of them he had two different experiments. In the story of Rani Ketki, Insha did not use any word of Persian and Arabic .For him Urdu is a separate language. Apart from these two languages and without the use

of these two languages, excellent writing can also be written in Urdu. In Silk-e-Gohar he used words that did not have dots, he wrote the story with pointless words. Both these experiments of Syed Insha are valued in Urdu literature. Because no other literature has adopted this style.

Keywords: Syed Insha, Prose, Experiments, Silk-e-Gohar, Pointless, Valued, Porbi, Rani, Ketki, Linguist.

انشاءاللہ خان (۱۷۵۵ء–۱۸۱۸ء) میر ماشاء اللہ کے بیٹے اور میر نوراللہ کے پوتے تھے بزرگوں کا وطن نجف اشرف اور پیشہ طبابت تھا اسی پیشے کی بدولت ہندوستان آنا ہوا۔ روایت ہے کہ حکیم میر نوراللہ خان فرخ سیر کی دعوت پر علاج کرنے کے لیے دلی آئے تھے۔ پھر اسی شہر کے ہو کر رہ گئے۔ اور امرائے شاہی میں داخل ہوئے۔ نوراللہ خان تو دلی میں ہی رہے۔ مگر میر ماشااللہ خان دلی سے نکلے اور مرشد آباد پہنچے۔ انشااللہ خان اسی شہر میں پیدا ہوئے۔ یہ نواب سراج الدولہ (۱۷۵۶ء) کا زمانہ تھا جنگ پلاسی کی تباہی کے بعد لکھنؤ آئے۔ اس وقت انشا سولہ برس کے تھے. اسی سال وہ شجاع الدولہ (۱۷۷۱ء) کے دربار میں پہنچے اور ان کے درباریوں میں شامل ہوگئے۔ شجاع الدولہ کے انتقال کے بعد ایک مرتبہ پھر باپ بیٹے گھومتے پھرتے دلی پہنچے جہاں شاہ عالم ثانی (دور حکومت ۱۷۶۰ء–۱۸۰۶ء) کا دربار سجا تھا۔ شاہ عالم خود بھی شاعر تھے۔ لہٰذا انشا اہلِ دربار میں شامل ہوگئے۔ یہاں انھوں نے اپنا خوب رنگ جمایا۔ سید انشا جس خمیر کے بنے تھے۔ اس کا تقاضا یہی تھا کہ وہ شاعر بنتے۔ انھیں بہت سی زبانوں پر عبور حاصل تھا جن میں ترکی، ہندی، عربی، فارسی، پوربی، پشتو، پنجابی، کشمیری اور بنگلہ وغیرہ شامل ہیں۔ اسی زبان دانی کی بدولت انھوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی کام کیا وہ نظم و نثر دونوں میں یکساں رواں تھے غزل، قصیدہ، مثنوی، رباعی وغیرہ میں طبع آزمائی کی نثر میں کہانیاں لکھیں، واقعہ نویسی کی، مزاح نگاری کی اور علمی کام کیا "دریائے لطافت" اس کی عمدہ مثال ہے۔

سید انشا نے دو کہانیاں لکھی ہیں۔ "سلکِ گوہر" اور "کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی" ان کہانیوں کی بابت انتظار حسین "انشا کی دو کہانیاں" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں۔

> بات تو یہ ہے کہ انشا سے بطور شاعر کے تو ہم خوب شناسا چلے آتے ہیں مگر افسانہ نگار انشا پر ایک لمبے عرصے تک پردہ پڑا رہا۔ محققوں نے بالا آخر پردہ کشائی کی اور انشا نے چودہ کہانیاں لکھی تھیں انھیں تحقیق کر کے برآمد کر لیا۔[1]

دونوں کہانیوں میں کچھ تجربے کیے گئے ہیں۔ اس عہد میں اردو شاعری اپنے قدم جما چکی تھی۔ اس لیے وہاں تجربات کی گنجائش ہو سکتی تھی مگر اردو نثر نے زیادہ مرحلے طے نہیں کیے تھے بیان کے اسلوب ابھی بن رہے تھے۔ ایسے میں تجربے کرنے کی نیت کرنا خود کو مشکل میں ڈالنے والی بات تھی لیکن انشا نے دو کہانیاں لکھ کر اردو نثر میں دو تجربے کر ڈالے۔ سلک گوہر غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے جبکہ رانی کیتکی کی کہانی خالص اردو لکھنے کا تجربہ تھا۔

> یہ ہندی کہانی کی بہنیں دکھائی دیتی ہیں ان میں عربی فارسی قصہ کی سی گیرائی اور گہرائی نہیں عریانی اور جنون کی قہرمانی ہے۔ طبع زاد قصوں میں تصنع، آرائش، غلو، قافیہ پیمائی کی اٹھان الفاظ کی بھول بھلیاں اور کہیں سادگی اور مٹھاس ہے۔ کسی کسی جگہ ہندی بانا بھلا لگتا ہے۔ (۲)

ادب میں تجربے کرنے کی اپنی ایک قدر و قیمت ہے۔ اس سے اظہار کے نئے راستے دریافت ہوتے ہیں اور ادبی روایت میں بیان کی وسعت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن آخر میں یہ دیکھا جاتا ہے۔ کہ تجربے کے نتیجے میں فن پارہ کس قدر و قیمت کا حامل رہا ہے۔ جدت پسند طبیعت کی بدولت سید انشا نے ایک ایسی کہانی لکھنے کی ٹھانی کہ جس میں عربی اور فارسی کے الفاظ نہ ہوں۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اردو ان دونوں زبانوں سے الگ ایک زبان ہے۔ جس کا اپنا مزاج اور اپنا قانون ہے۔ لہٰذا رانی کیتکی کی کہانی لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اردو میں عربی اور فارسی الفاظ کا استعمال کیے بغیر بھی اظہار ممکن ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ اردو ان دونوں سے استفادہ کیے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اسلوبی فرق کے علاوہ اس کہانی کی جو فضا ہے وہ صرف انشا کے ہاں پہلی مرتبہ تعمیر نہیں ہوئی بلکہ اس کی جھلکیاں ان کی دوسری تحریروں میں جابجا نظر آئیں گی۔ ایسے الفاظ اشارے کنائے علامتیں اور تلمیحیں جن سے اس کہانی کی فضا مرتب ہوئی ہے۔ ان کی غزلوں میں جابجا بکھری ہوئی ہیں۔ رانی کیتکی کی کہانی سید انشا اللہ خان کی جدت پسند طبیعت کا کارنامہ ہے یہ کہانی تحریر کرنے کے حوالے سے خود انشا کہتے ہیں؛

> ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان میں چڑھی کوئی کہانی ایسی کہیے جس میں ہندی چھوٹ اور کسی بولی کی پٹ نہ ملے تب جا کے میرا جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے باھر کی بولی اور گنواری کچھ اوس کے بیچ میں نہ ہو۔ (۳)

اگرچہ اس بیان کا عنوان ہے ڈول ڈال ایک انوکھی بات کا، مگر بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسئلہ صرف انوکھی بات کے ڈول ڈالنے کا نہیں بلکہ کچھ تجربے ہیں جو انھیں پریشان کر رہے ہیں اور اظہار کے متقاضی ہیں۔ ان تجربوں کے تقاضے کے تحت سید انشا سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ کہانی ایک ایسی صنف ہے جن میں اظہار کرنا ان کے لیے قدرے آسان ہے۔ لہٰذا اپنے اندر کی تسکین کے لیے انھوں نے یہ کہانی لکھ ڈالی۔ رانی کیتکی کی داستان عشق انشا کے

قلم سے ۱۸۰۳ء میں وارد ہوئی لیکن مولوی عبد الحق (۱۸۷۰ء-۱۹۶۱ء) نے اسے ۱۹۳۳ء میں انجمن ترقی اردو کے تحت پہلی مرتبہ شائع کروایا اس بات کی صداقت بابائے اردو یوں کرتے ہیں۔

نسخہ مطبوعہ انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۳ء[۴]

جی میں آئی ہوئی بات کو انشا نے عملی جامہ یوں پہنایا کہ رانی کیتکی اور کنور اور دے بھان کی داستان عشق تحریر کر ڈالی، قصہ بالکل سادہ ہے۔ راجا سورج بھان کا بیٹا کنور اودے بھان شکار کھیلتے کھیلتے دور نکل جاتا ہے اور مہاراجا جگت پر کاش کی بیٹی رانی کیتکی کو دیکھ کر اس پر عاشق ہو جاتا ہے۔ داستان میں طرح طرح کے حالات بمعہ جزئیات تحریر کیے گئے ہیں۔ محبت کی باتیں اشارے کنائے چھیڑ چھاڑ دوستی و دشمنی، وصل و فراق تعویز گنڈے، سحر و طلسم شادی کا سماں، لڑائی کی تفصیلات شہر و بازار کی آرائش اور سجاوٹ، غصہ و نفرت غرض کہ سبھی کچھ ہے۔ ہندی تہذیب میں رچی بسی یہ کہانی کسی قدیم سنسکرتی قصہ کا ترجمہ نہیں ہے مگر جن اجزا و عناصر سے اس کہانی کا خمیر اٹھا ہے وہ فکشن کی اسی قدیم ہندی روایت سے ماخوذ ہیں یہ تمام اجزا و عناصر ہندی اجتماعی تخیل میں رچے بسے ہیں۔ لہٰذا اس کہانی کی تہہ میں ہندو معتقدات اور توہمات کار فرما نظر آئیں گے۔ رانی کیتکی کی کہانی پرانے طرز کا مختصر سا افسانہ ہے لیکن عام داستانوں سے جدا۔ یہاں مافوق الفطرت باتوں کی شدت نہیں۔ حالانکہ مافوق الفطرت عناصر سے قصوں میں دلچسپی کا عنصر بڑھ جاتا ہے۔ "ایک اچھا داستان طراز حسب ضرورت مافوق کا استعمال کرتا ہے۔ اور اس سے داستان میں خشکی نہیں بلکہ حلاوت پیدا کر دیتا ہے۔"[۵] جبکہ رانی کیتکی میں مافوق الفطرت عناصر کے بجائے سپاٹ سے چند واقعات ہیں مثلاً آدمی کو ہرن بنانا، آنکھوں میں بھبھوت لگا کر اوجھل ہو جانا، گٹکے منہ میں لے کر فضا میں اڑنا اور آخر میں اندر دیوتاؤ وغیرہ کا بیان، یہ ہندو تمدن اور ہندو دیومالائی اثرات کا ردعمل ہے۔ قصہ کا ماحول ہندوانہ ہے اس لیے اس کی زبان بری نہیں لگتی اگر یہ باتیں قصے میں نہ آتیں تو قصہ فنی اور معنوی لحاظ سے پیچھے رہ جاتا۔ رانی کیتکی کا کردار نہایت جاندار ہے وہ بہت ہی صاف اور معصوم ہے جو بات دل میں ہو زبان پر لے آتی ہے۔ واردات قلبی کا اظہار اپنی سہیلی مدن بان سے بلا جھجک کرتی ہے۔

> اری او تو نے کچھ سنا بھی میرا جی اوس پر آ گیا اور کسی ڈول سے نہیں تھم سکتا تو سب
> میرے بھیدوں کو جانتی ہے اب جو ہونی ہے سو ہو۔ سر رہتا رہے، جاتا جائے، میں
> اوس کے پاس جاتی ہوں۔[۶]

ڈاکٹر گیان چند جین نے رانی کیتکی کی اس سادگی کو معصومیت قرار دیا۔ دوسرے داستان نویس ایسے موقعوں پر لطیفوں اور فقرہ طرازیوں کی بہار دکھاتے ہیں۔ یہاں کام سادگی و سنجیدگی سے ہو گیا کیونکہ یہاں جانبین کے دل سادہ اور معصوم ہیں۔[۷]

رانی کیتکی کی طرح کنور اور دے بھان کا کردار بھی معصومیت سے لبریز ہے، کمسن ہے مگر مردانہ وجاہت کا نمونہ ہے، صرف تفریح اور شکار کا شوقین ہے۔ دیگر کرداروں میں رانی کیتکی کی سہیلی اور ہم راز مدن بان اہم ہے۔ جو ہر موقع پر انتہائی سمجھداری سے اس کا ساتھ دیتی ہے۔ مختصر سے اس قصے میں دونوں راجاؤں کا رکھ رکھاؤ، جشن اور شادی کے موقع پر ان کی آرائش انشا کے قلم کا کمال ہے۔ ان کی زیب وزینت ہندو معاشرت کی حقیقی تصویر ہے۔ شادی کی تیاریوں اور جشن کے بیان کو بیس صفحات پر پھیلا دیا ہے۔ قصے میں اہلِ طرب کو گویئے، سنگیت اور ناچنے والے جیسے ناموں سے پکارا ہے۔ راگوں میں ایمن، کلیان، سدھ کلیان، جھ نتی، کانھڑا، کھنباچ، سوھنی، پرج، بہاگ، سوہرٹ، کانگڑا، بھیروی، کھٹ للت اور بھیروں جیسے مشہور راگوں کا تذکرہ کیا ہے۔ کہانی میں بحری سواریوں کے لیے بجرے (سیر کرنے کی چھوٹی کشتی)، مور پنکھی (مور کے پروں کا بنا ہوا پنکھا) جیسے انوکھے نام منتخب کیے ہیں۔ انشا کے نزدیک یوں قسمیں گنوانے کا مقصد داستان کی روایت کا احترام کرنا ہے۔

عشقیہ داستانوں میں جنگوں کی کیفیت دیگر داستانوں کی نسبت کچھ مختلف ہوتی ہے۔ یہاں مرکزی کردار اپنے دشمن سے براہ راست جنگ نہیں کرتا بلکہ مختلف منفی قوتیں اس کا راستہ روکتی ہے۔ جس سے وہ مشکلات کا شکار ہو جاتا ہے۔ رانی کیتکی میں بھی دونوں راجاؤں کی جنگ کا تذکرہ انتہائی مختصر الفاظ میں ملتا ہے۔ منفی کردار براہ راست جنگ کے بجائے طلسمی اشیا کا سہارا لیتے ہیں۔ ”اس داستان میں منفی کرداروں کی اصل طاقت تعویز گنڈے اور سحر و طلسم ہیں یعنی انسانی طاقتوں کا دخل نہ ہونے کے برابر ہے۔“(۸)

رانی کیتکی کی کہانی تحریر کرنے سے پہلے انشا نے ذہن میں جو بات رکھی تھی کہ اس کہانی میں عربی و فارسی کا کوئی لفظ نہیں لائیں گے۔ اپنی اس بات پر آخر تک قائم رہے اور ہندی الفاظ کو بڑے حسن اور سلیقے سے استعمال کیا ہے۔ بول چال کے آسان اور سادہ الفاظ میں اس قدر معنویت اور صداقت پیدا کی ہے جو طویل سے طویل بیانات پر بھاری ہیں۔ داستان میں ہندی کی سادگی اور انشا کی فطری شوخی کا بڑا کامیاب ملاپ ہے۔ آرزو چوہدری کا کہنا ہے کہ:

> انشا نے بات نبھانے کی تابہ مقدور مساعی کی ہے۔ قصہ مروجہ داستانوں کے ڈھنگ پر ہوتے ہوئے بھی اس سے کچھ تمیز ہے۔(۹)

اسلوب اس انداز تحریر کو کہتے ہیں۔ جس میں شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ اسلوب کی تہہ میں ہر لکھنے والے کی ذات اس کے افکار و خیالات، تجربات و حوادث اور تجزیے کار فرما ہوتے ہیں جو ہر مصنف کے دوسرے سے جدا ہونے کے باعث لفظیات اور انداز جدا جدا ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے انفرادی اسلوب جنم لیتا ہے۔ نثار احمد فاروقی اپنے مضمون اسلوب کیا ہے میں اسلوب کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> یہ افکار و خیالات کے اظہار و ابلاغ کا ایسا پیرایہ ہے جو دلنشین بھی ہو اور منفرد

> بھی۔ اس کو انگریزی میں سٹائل (style) کہتے ہیں۔ اردو میں اس کے لیے طرز یا اسلوب کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ عربی اور جدید فارسی میں اسی کو سبک کہتے ہیں۔ (۱۰)

اسلوب کی اس تعریف کی روشنی میں رانی کیتکی کے اسلوب کو دیکھا جائے تو اس میں اسلوب کے نت نئے تجربات کیے گئے ہیں۔ نئی تشبیہات اور استعارے کرداروں کی زبانی بیان ہوئے ہیں۔ ان میں بعض ہندی سے مستعار لیے اور بعض انشا کی اپنی ذہن کی اختراع ہے۔ مثلاً ایک جگہ لکھتے ہیں۔ یہ کل پتلا جو اپنے اس کھلاڑی کی سدھ رکھے تو کھٹائی میں کیوں پڑے، مورتوں کو جی دان دیے، مٹی کے باسن کو اتنی سکت کہاں جو اپنے کمہار کے کچھ کرتب بتا سکے، ٹھنڈی سانس کا ٹھوکا، دھیان کا گھوڑا، بول چال کی دلہن کا سنگھار وغیرہ جیسی تشبیہات و استعارات کے علاوہ انشا نے تمام بول چال کی زبان کو مد نظر رکھا۔ اسی لیے اس داستان کو پڑھ کر سنائی ہوئی کہانی کا مزہ آتا ہے، قصہ فعل ماضی میں بیان کیا گیا ہے لیکن بیچ بیچ میں حال کا صیغہ استعمال کرنے سے کہانی پن آجاتا ہے، مثلاً ایک موقع پر کہتے ہیں:

> پڑا پڑا اپنے جی سے باتیں کر رہا تھا، اتنے میں کیا ہوتا ہے جو رات سائیں سائیں بولنے لگتی ہے۔ اور ساتھ والیاں سب سو رہتی ہیں۔ رانی کیتکی اپنی سہیلی مدن بان کو جگا کر یوں کہتی ہے۔ (۱۱)

داستان کے تمام مکالمے بالکل بات چیت کی زبان میں ہیں۔ قصے کے آخر میں کیتکی اور مدن بان کی گفتگو میں دو شوخ و چنچل لڑکیوں کے پر لطف رمز و کنائے بہترین ہیں۔ اردو والوں میں ہندو عورتوں کی بول چال کی زبان لکھنا ہی انشا کا کمال ہے۔ انشا ان قصہ نویسوں میں سے نہیں ہیں۔ جو محض معاشرتی حقیقت نگاری کے زور پر تہذیب کو بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثنوی ہو، داستان ہو، یا ناول، ان کے لکھنے والوں کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ قدم قدم پر رکتا ہے۔ کہانی کو پس پشت ڈالتا ہے اور کسی بھی معاشرتی عمل کو اس کی ساری جزئیات و تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کر دیتا ہے۔ انشا کا انداز یہ نہیں ہے۔ وہ معاشرتی مرقعوں کی خاطر کہانی کہنا نہیں چھوڑتے بلکہ ان کی کہانی ایسی ہوتی ہے جس کا خمیر ایک مخصوص تہذیب سے اٹھا ہو۔ وہ تہذیب اپنے عقائد، توہمات اور روایات کے حوالے سے کہانی کے رگ رگ میں بسی ہوتی ہے۔ داستان کی صفت نے اس لیے بھی آفاقیت پائی کہ داستان نویس نے اپنے عہد کے توہمات، تعصبات غرض کے ہر اس چیز کا ذکر کیا ہے، جو اس دور کا انسان کرتا چلا آیا ہے۔ ابو الخیر کشفی کا کہنا ہے کہ جس ادب میں اپنے عہد کے فکری جذباتی خد و خال نظر نہ آئیں اور اپنے دور کی کشمکش کے مختلف دائرے اور زاویے نہ ملیں، وہ آفاقی نہیں بن سکتا۔ (۱۲)

انشا کے ہاں صورتحال کچھ مختلف ہے انھوں نے معاشرتی رنگ کو یکسر مسترد بھی نہیں کیا ہے۔ کہانی بیان کرتے کرتے جب اودے بھان اور کیتکی کی شادی کی منزل آتی ہے تو انشا معاشرتی جزئیات نگاری کا رخ کرتے ہیں۔ شادی کی تیاریاں بارات، رخصتی وغیرہ کا بیان، اس کہانی میں جزئیات نگاری کی عمدہ مثالیں ہیں۔ جن الفاظ کا چناؤ کیا ہے وہ عربی و فارسی زبان کے الفاظ سے پاک ہے۔

رانی کیتکی کی کہانی میں انشا نے بعض جگہ ٹھیٹھ ہندی الفاظ استعمال کیے ہیں جو شعری رنگ میں ڈوبے نظر آتے ہیں۔ مثلاً میں ایسا بٹر بولا نہیں جو رائی کو پربت کر دکھاؤں۔ ۔ ۔ بے سری بے ٹھکانے کی اوجھی، سلجھی تانیں لے جاؤں۔ وہ تاؤ بھاؤ اور آؤ جاؤ اور کود پھاند اور لپٹ جھپٹ دکھاؤں، سچ مچ اوس کے جوبن کی جوت میں سورج کی ایک سوت املی تھی، چاہت کی لگاوٹ، ستھرے روپ سے سجی سجائی اور انوپ روپ وغیرہ۔

اس کہانی میں مصنف نے کئی غیر مانوس الفاظ کو بھی نئے انداز سے برتا ہے۔ سوہے (لال)، پت چاہی (من چاہی) اور ملولا (دکھی)۔ جب کہ کچھ ایسے متروک الفاظ بھی لائے ہیں جو آج کی اردو میں کہیں نظر نہیں آتے۔ جیسا کہ اوبندا، سچوئی، ابدھوت اور بادبھک وغیرہ۔ کہیں مؤنث کی جمع بتا دی ہے۔ ساون گاتیاں ہیں۔ سب باتیں کھولیاں۔ گلے مل کے ایسی روئیاں۔ ستھرے روپ سے سجی سجائی، کسی کسائی سو سو لچکیں کھاتیاں۔ آتیاں جاتیاں، لہراتیاں، پڑ پھڑتیں تھیں۔

انشا نے اپنی طبیعت کے مطابق ایک عجیب سی کہانی لکھی ہے جس کی زبان میں کئی ہندی آمیز اردو کی سادگی ہے، تو کہیں ترنم، کئی بہاؤ، ہے تو کہیں ٹھہراؤ ہے۔ ”سلکِ گوہر“ بھی نثر میں ایک تجربہ ہے مگر رانی کیتکی کی کہانی سے مختلف قسم کا۔ رانی کیتکی کی کہانی عربی و فارسی لسانی اثر سے آزاد زبان میں لکھنے کا تجربہ ہے۔ جبکہ ”سلکِ گوہر“ غیر منقوط نثر لکھنے کا تجربہ ہے۔ یہ داستان جنگ پلاسی ۱۷۵۷ سے ڈیڑھ برس پہلے لکھی گئی۔ سید انشا کا یہ تجربہ ان کے رانی کیتکی والے تجربے سے اور بھی کئی معنوں میں مختلف ہے۔ وہ دو مختلف تہذیبی منطقوں میں بٹے ہوئے آدمی تھے۔ ایک کا تعلق میلوں ٹھیلوں سے اور دوسرے کا دربار سے تھا۔ پہلے میں ان کی روح آباد تھی اور دوسرا ان کے لیے زندگی گزارنے کا وسیلہ فراہم کر رہا تھا۔ غیر منقوط لکھنے کا چسکا ان کے درباری زندگی کے طفیل پیدا ہوا تھا۔ شاعری میں بھی انھوں نے اس کا استعمال کیا۔ بے نقط قصیدہ لکھا ایک بے نقط مثنوی فارسی میں لکھی۔ ایک بے نقط دیوان اردو میں ترتیب دیا۔ یہ ساری غیر منقوط شاعری ان کی کلیات میں شامل ہے جبکہ سلک گوہر غیر منقوط داستان ہے۔ ”سلکِ گوہر“ کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ماہ ساطع ولد مہر طالع مالک روس ایک ہرن کا تعاقب کرتے ہوئے راستہ بھول کر ملکہ گوہر کے قلعہ میں داخل ہوتا ہے۔ وہ پھولوں کا موسم ہے اور ہر طرف لالا ئے حمرا کھلا ہے۔ ماہ ساطع ملکہ گوہر آرا کے محل کی دل کشی و زیبائی دیکھ کر اپنا درد و الم بھول جاتا ہے۔ ملکہ گوہر آرا کو اس کے بارے میں پتا چلتا ہے تو

وہ اپنی ہمراز ہم عمر ماہ رو کو بھیجتی ہے کہ شاہ روس کو لے کر آؤ۔ اس واقعے کو سید انشا بے نقوط انداز میں یوں بیان کرتے ہیں؛

> ملکہ گوہر آرا کا دل اس حال کا مطلع ہوا اس دم محرم اسرار، مہر کردار، ہم عمر، ماہ رو کو کہا کہ "ادھر آؤ اور اس کو لاؤ۔"(۱۳)

ماہ ساطع محل میں جاتا ہے اور ملکہ گوہر آرا کے حسن و جمال سے متاثر ہو کر اسے اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ ملکہ سے جدا ہو کر وہ دو سال تک بھٹکتا رہتا ہے اور پھر کوہ طلا پر ایک صد سالہ مرد سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ وہ بزرگ دونوں کو ملانے کی حامی بھر تا ہے اور کچھ طلسمی اشیا پیش کرتا ہے۔ ساتھ ہی اپنی پوتی گل رو سے اس کی ملاقات کرواتا ہے۔ گل رو ہد ہد بن کر دونوں کو ملواتی ہے۔ داستان کے آخر میں مہر و مہر اور گواہان و وکلا کی موجودگی میں عاشق و معشوق کی شادی ہو جاتی ہے۔ مصنف نے داستانی روایات کا احترام کیا ہے۔ دوسرے قصہ گوؤں کی طرح انشا نے بھی سلک گوہر کا آغاز حمد و نعت سے کیا ہے۔ یہاں بھی ایسے الفاظ کا انتخاب کیا ہے۔ جو بے نقوط ہیں۔

مرادِ مردمک حور و کلکِ درہ کدھر   کہ ہو مسودۂ حمد اور عالم

مدام وردِ رودِ رسولِ صلِ علا   محمدِ وَ علاالہ کرو ہر دم

حمد و نعت کے بعد باقاعدہ داستان کا آغاز مخصوص انداز میں کرتے ہیں۔ قصے میں اُن تمام اشیا کا ذکر ہے جو ایک کامیاب داستان طرازی کے لیے لازم ہیں۔ داستانیں مختلف خطوں سے تعلق رکھنے کے باوجود مشابہت رکھتی ہیں۔ سعید احمد کا کہنا ہے کہ مافوق الفطرت عناصر، عجیب الخلقت جانور، ناطق پرندے، ہوش ربا طلسم، روحانی فضا، رزم و بزم کے مرقعے، جنسی چٹخارے حیرت انگیز حمات اور ناقابل یقین واقعات، عالمی داستانوں کے مشترکہ عناصر ہیں۔(۱۴)

یہی تمام عناصر سلک گوہر میں بھی پائے جاتے ہیں۔ دیگر داستانوں کی طرح اس میں جادوئی اشیا سرمۂ طلسم، موسا کا عصا، طلسمی رسا وغیرہ طلسمی واقعات میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔ اسی طرح گل رو جب ہد ہد بن کر اڑتی ہے تو وہاں انشا کچھ ایسے الفاظ لاتے ہیں۔ گل رو کا اس دم مکرر ہد ہد ہوا اور وہ ماہ ساطع امر دلدادہ، آلودہ درد و الم کا، مکرر اس مصور محل کو آدھمکا۔

اس زمانے میں بے نقط تحریر لکھنا قدرت اظہار کا اعلان سمجھا جاتا تھا۔ اور انشا ایسے تجربات کر کے مخالفین کو نیچا دکھاتے تھے۔ بے نقط نظم و نثر بھی ان کے لیے اسی قسم کا مشغلہ تھی۔ لیکن بے نقطہ زبان لکھنے کا التزام اتنی سخت پابندی ہے کہ اس سے بیان کے بہت سے راستے رک جاتے ہیں۔ کہانی پڑھتے پڑھتے ہر جگہ یہ احساس ہوتا ہے کہ انشا کے لیے ان سخت پابندیوں کے ساتھ چلنا بہت مشکل ہو رہا ہے۔ انشا کے وہ الفاظ جو انھوں نے رانی کیتکی کی کہانی لکھتے

ہوئے کہے تھے کہ کہانی ایسی کہیے کہ جی پھول کی کلی کے روپ سے کھلے تو ان کی اس بات کا اطلاق سلک گوہر پر نہیں ہوتا۔ یہ کہانی انھوں نے لکھ تو ڈالی مگر جی ان کا پھول کی کلی کے روپ سے کھلتے کھلتے رہ جاتا ہے۔ بے نقط نثر کی خامیوں پر ڈاکٹر گیان چند یوں روشنی ڈالتے ہیں؛

> بے نقط کی قید کی وجہ سے اس قدر بے لطفی پیدا ہو گئی ہے کہ پوری داستان کا پڑھنا تقریباً محال ہو گیا ہے۔ زبان یوہی اردو کے روز مرہ سے کوسو دور ہو گئی تھی، اس پر انشا کی بے نمک ظرافت، ستم بالاے ستم ہے۔[۱۵]

ایسی نثر لکھتے وقت صاحب قصہ نے غیر منقوط الفاظ کی کمی کو پورا کرنے کے لیے منقوط الفاظ کو غیر منقوط الفاظ میں ڈالنے کی کوشش بھی کی مثلاً کلم (قلم) اکلا (اکیلا) کد (کب) دوس (دوش) علاحدہ (علیحدہ) سمبھال (سنبھال) وغیرہ۔ مہمل الفاظ کی بھرمار قصے میں نظر آتی ہے جس سے طوالت میں خوب مدد ملی ہے۔ کاسہ واسہ، سرمہ ارمہ، رساوسا، عصاوصا، سلام ولام، لکھاو کھا، روکھاسوکھا، راگ واگ،، سادھومادھو، ہدہدودہد، وغیرہ جیسے بے نقوط الفاظ کا اضافہ کیا ہے۔ اسی داستان میں کچھ مقامات پر بغیر نقوط والے الفاظ کی ایسی جوڑیاں بھی ایجاد کی ہیں جن سے غنائیت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً مدار مدار مدار، سالار سالار سالار، دردر، دردر، دردر، آہ دردر، آہ دردر، آہ دردر، مرکزی کرداروں کے علاوہ کچھ اور نام بھی گنوائے گئے ہیں جو نقطوں سے عاری ہیں۔ جیسا کہ رولدو، گلو گھما دھوما، ملھا، سلھا، کلا، مہرو، محمد، مراد، سمو، ملھو، عصمو، امامو، مرادو، کرمو، کامو، کادو، گوگا، رمو، کملو وغیرہ

اشعار کا استعمال اردو داستانوں میں اکثر کیا جاتا رہا ہے۔ سلک گوہر میں بھی انشا نے بے نقوط الفاظ کو جوڑ کر اشعار کی شکل میں ڈھالا ہے۔

اما دا اہ لال دلارا دولھا کمر ملھو وال	ک اکھ ملاوک گھور رہا اہ اما والا عصمو وال
آسا مل اما دا محرم کرم محمد مما ملدا	اکھ ملاوک کمر دولھا آکھ مرادو کر موو الی

انشا نے بے نقط نثر تحریر کر کے اپنے آپ پر اظہار کے بہت سے رستے بند کر لیے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان کا قلم روانی سے نہیں چلتا ایک مخصوص دائرے کے اندر گھومتا ہے گنے چنے الفاظ ہیں جن سے وہ باہر نہیں نکلتے۔ گھوم پھر کر وہی الفاظ بار بار داستان میں آ گئے ہیں۔ گنے چنے الفاظ کے استعمال سے تحریر میں تکرار لفظی بڑھ گئی ہے۔ ان میں سے اکثر الفاظ ایسے ہیں جو بول چال کا حصہ نہیں ہیں۔ اور نہ ہی تحریروں میں استعمال ہوتے ہیں۔ انشا کو بے نقط نثر میں اظہار مطلب کی مجبوری کے تحت عربی اور فارسی سے ایسے الفاظ چننے پڑے جن سے زبان اردو ناواقف تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ انھیں ہندی الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ سلک گوہر سے نکالنا پڑا کیونکہ انھوں نے ٹ، ڈ اور ڑ کو بھی نقطے والے حروف کے ذیل میں ڈال دیا۔

سلک گوہر کو پڑھ کر سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ انشا کے نزدیک اسے تحریر کرنے کا مقصد کیا تھا؟ آیا وہ صرف کہانی لکھنا چاہتے تھے یا اشعار کے ذریعے سُر سے سُر ملانا چاہتے تھے؟ داستان عام عشقیہ قصے کا عکس ہے جس میں واقعات کا اتار چڑھاؤ نہ ہونے کے برابر ہے۔ نہ کہانی میں کوئی نیا پن ہے۔ نمائندہ کردار بھی صرف تین ہی ہیں ملک روس، ملکہ گوہر آرا اور اس کی سہیلی گل رو، تینوں ایک دوسرے سے لطف اندوز ہوتے نظر آتے ہیں۔ کہانی سے ہٹ کر انشا کا مقصد حسیاتی تجربوں کا تخلیقی بیان ہے۔ انھوں نے اس تین کرداری مثلث کو کچھ ایسی شکل دی کہ تجربے کی جدت بھی برقرار رہے اور حسیاتی کیفیت بھی زائل نہ ہو۔

میر امن دہلوی باغ و بہار کے اختتام پر دعائیہ کلمات کہتے ہیں؛

الٰہی! جس طرح یہ چاروں درویش اور پانچواں
بادشاہ آزاد بخت اپنی مراد کو پہنچے، اسی طرح
ہر ایک نامراد کا مقصد دلی اپنے کرم اور فضل سے
برلا، بہ طفیل پنجتن پاک، دوازدہ امام،
چہاردہ معصوم علیہم الصلوۃ والسلام کے
آمین یاالٰہ العالمین(۱۶)

بالکل اسی طرح سلک گوہر کے اختتام پر بھی سید انشا کچھ یوں دعا مانگتے نظر آئے ہیں؛

الحاصل اس حور ماہ آسا کا وصل اس سرو
دلآرہ کو حاصل ہوا۔ اولو گو، سر کھول کھول
کر دعا کرو کہ الہا، اسی طرح کہ ملکہ گوھر آرا
اور ماہ ساطع کا ہمد گر مدعا ملا، اس طرح
ہمارا اور کل عالم کا دل مسرور اور دکھ دلدر
دور ہو(۱۷)

تخلیقات کی ابتدا حمد سے کرنا اور دعائیہ کلمات پر اختتام کرنا اردو ادب کا مخصوص رنگ ہے۔ لیکن ان کے بیچ کی تمام تحریریں جدا گانہ انداز رکھتی ہیں انھیں سے لکھنے والوں کی ذہنی اختراع کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ انشاء اللہ خان انشا کے حالات نے انھیں درباری زندگی کے شب و روز بھی دکھائے اور میلوں ڈھیلوں میں جانے کے مواقع بھی فراہم کیے۔ اس سے ان کی طبیعت میں سنجیدگی و متانت بھی پیدا ہوئی اور شوخی اور ظرافت بھی۔ دو مختلف تہذیبوں نے ان کی زبان دانی اور قوت مشاہدہ کو بڑھا دیا۔ انھیں چیزوں نے ایک بے خوف انشا کا ہیولہ تیار کیا۔

جنھوں نے اُردو نثر کو دو انوکھی کہانیاں ہدیہ کیں۔ ''سلکِ گوہر'' پر ناقدین نے دل کھول کر تنقید بھی کی اور اسے بوجھل اور بے لطف داستان کہا لیکن ایسے نثر لکھنا آسان نہیں۔ جس میں عشقیہ قصہ کو تمام لوازمات (کہانی، کردار، مناظر وغیرہ) کے ساتھ اُن الفاظ میں لکھنا کہ جن پر نقطے نہ ہوں۔ اس داستان کو تحریر کرتے وقت انشا نے ان تمام بے نقوط الفاظ کو ذہن میں جمع کر کے عشقیہ قصہ ترتیب دیا ہے۔ ''سلکِ گوہر'' سے انھوں نے ایک نئی روایت کی بنیاد ڈالی ہے کہ لگے بندھے انداز تحریر سے ہٹ کر بھی لکھا جا سکتا ہے۔ اور انشا نے ایسا کر کے دکھایا۔ جب کہ رانی کیتکی کے قصے میں بھی انتہائی خوب صورت الفاظ کے چناؤ سے کہانی ترتیب دی گئی ہے اسے پڑھتے وقت کہیں بھی یہ شائبہ نہیں ہوتا کہ دوران تحریر مصنف نے ذہن میں صرف ہندی الفاظ کو ہی محفوظ کر رکھا ہے اور اُسی سے داستان تحریر کریں گے۔ انشا ایک ہمہ گیر شخصیت تھے۔ ایسی شخصیت کی تحریروں کے انداز مختلف ہی ہوں گے۔ عربی و فارسی الفاظ سے آزاد نثر لکھنا اور غیر منقوط الفاظ سے کہانی گھڑنا ان کی اسی ہمہ گیر شخصیت کا خاصہ ہیں۔ ان کی تحریروں کے یہ انداز ہر ناقد کی نظر میں مختلف رائے ضرور رکھتے ہوں گے۔ لیکن اُردو ادب میں انشا کے یہ اچھوتے کارنامے یاد رکھے جائیں گے۔

حواشی

۱۔ انتظار حسین (مرتب)، انشا کی دو کہانیاں (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۱ء)، ص ا، بار اوّل
۲۔ آرزو چوہدری، داستان کی داستان، (لاہور: عظیم اکیڈمی اردو بازار، ۱۹۸۸ء)، ص ۴۵، بار اوّل
۳۔ انشاءاللہ خان انشا، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۵۵ء)، ص ۳
۴۔ ایضاً
۵۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو کی منظوم داستانیں (لاہور: گنج شکر پریس، ۲۰۱۶ء)، ص ۵۲
۶۔ انشاءاللہ خان انشا، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، ص ۱۰
۷۔ ڈاکٹر گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۴ء)، ص ۴۱۷
۸۔ شہناز کوثر، اردو داستانوں کے منفی کردار آغاز تا ۱۸۱۰ء، (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء)، ص ۲۳۷
۹۔ آزو چوہدری، داستان کی داستان، ص ۴۱۶
۱۰۔ نثار احمد فاروقی، اسالیب نثر پر ایک نظر، مرتبہ ڈاکٹر ضیاالدین (نئی دہلی: ادارہ فکر جدید دریا گنج، س ن)، ص ۱۱
۱۱۔ انتظار حسین (مرتب)، انشا کی دو کہانیاں، ص ۵۲
۱۲۔ سید ابوالخیر کشفی، ادب اور قومی شعور، مشمولہ سر سیدین، پاکستانی ادب نمبر، مجلّہ فیڈرل گورنمنٹ سر سید کالج راولپنڈی، مئی ۱۹۸۷ء، ص ۴۹۴
۱۳۔ انتظار حسین (مرتب)، انشا کی دو کہانیاں، ص ۹۶
۱۴۔ سعید احمد، داستانیں اور حیوانات (اردو داستانوں میں حیوانات کی علامتی حیثیت)، (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان،

۲۰۱۲ء)، ص ۱۴

۱۵۔ ڈاکٹر گیان چند جین، اردو کی نثری داستانیں، ص ۳۴۵

۱۶۔ میر امن دہلوی، باغ و بہار، مرتب رشید حسن خان (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء)، ص ۲۴۹

۱۷۔ انتظار حسین (مرتب)، انشا کی دو کہانیاں، ص ۱۲۰

مآخذ

۱۔ آرا، شبنم، تانیثیت کے مباحث اور اردو ناول، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۸ء

۱۔ احمد، سعید، داستانیں اور حیوانات، اسلام آبادی: مقتدر، قومی زبان، ۲۰۱۲ء

۲۔ انشا، انشا اللہ خان، کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، کراچی: انجمن ترقی اور پاکستان، ۱۹۵۵ء

۳۔ جین، گیان چند، ڈاکٹر، اردو کی نثری داستانیں، کراچی: انجمن ترقی ردو، ۲۰۱۴ء

۴۔ چوہدری، آرزو، داستان کی داستان، لاہور: عظیم اکیڈمی اردو بازار، ۱۹۸۸ء

۵۔ حسین، انتظار (مرتب)، انشا کی دو کہانیاں، لاہور: مجلس ترقی، ۱۹۷۱ء

۶۔ دہلوی، میر امن، باغ و بہار، مرتب رشید حسن خان، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۶ء

۷۔ فاروقی، نثار احمد، اسالیب نثر پر ایک نظر، مرتب ڈاکٹر ضیاء الدین، نئی دہلی: ادارہ فکر جدید دریا گنج

۸۔ فتح پوری، فرمان، اردو کی منظوم داستانیں، لاہور: گنج شکر پریس، ۲۰۱۶ء

۹۔ کوثر، شہناز، اردو داستانوں کے منفی کردار آغاز تا ۱۸۱۰ء، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۱۲ء

رسائل و جرائد

۱۔ سرسیدین، پاکستانی ادب نمبر، مئی ۱۹۸۱ء، مجلّہ فیڈرل گورنمنٹ سرسید کالج، راولپنڈی۔

Refrences:

1. Intizar Husain (Editor), *Insha ki do Kahaniyan*, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1971), p. 1
2. Arzu Chaudry, *Dastaan ki Dastaan*, (Lahore: Azeem Academy, Urdu bazar 1988, p. 45
3. Insha Allah Khan Insha, *Kahani Rani Ketki or Kuanr Udy Bhan Ki*, (Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 1955), p.3
4. Ibid
5. *Dr. Farman Fateh poori*, *Urdu Ki Manzoom Dastaan*, (Lahore: Ganj Shakar Press, 2016), p. 52
6. Insha Allah Khan Insha, *Kahani Rani Ketki or Kuanr Udy Bhan Ki*, p. 10
7. Dr. Gayan Chand Jain, *Urdu ki Nasri Dastanain*, (Karachi: Anjuman Taraqqi-e- Urdu Pakistan, 2014), p. 417
8. Shehnaz Kausar, *Urdu Dastaan ke Manfi Kirdar*, (Aaghaz to 1810), (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2012), p. 37

9. Aarzoo Chaudhry, *Dastaan ki Dastaan*, 1988, p. 416
10. Nisar Ahmed Farooqi, *Asaleeb-e-Nasar Per aik Nazar*, Edited by Dr. Zia-ud-din, (New Delhi: Idara-e-Fikr-e-Jadeed, Darya Gunj, n.d.), p. 11
11. Intazar Hussain (Editor), *Insha ki Do Kahaniya*, p. 96
12. Syed Abul Khair Kashafi, *Adab or Qaumi Shaoor*, in *Sir Sayyidain Pakistan Adab*, Federal Government Sir Syed College Rawalpindi. p.494
13. Intazar Hussain (Editor), *Insha ki Do Kahaniya*, p. 96
14. Saeed Ahmed, *Dastanen or Haivanaat (Urdu Dastan Main Haivanaat ki Alamati Hesiyat)*, (Islamabad: National Language Authority Pakistan, 2012), p.14
15. Dr. Gayan Chand Jain, *Urdu ki Nasri Dastanen*, p.345
16. Mir Amman Dehlvi, *Bagh-o-Bahar*, Edited by Rasheed Hasan Khan, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2016), p. 249
17. Intazar Hussain (Editor), *Insha ki Do Kahaniya*, p. 120

Bibliography:

1. Ahmed, Saeed, *Dastanen or Haivanaat (Urdu Dastan Main Haivanaat ki Alamati Hesiyat)*, Islamabad: National Language Authority Pakistan, 2012.
2. Insha, Insha Allah Khan, *Kahani Rani Ketki or Kuanr Udy Bhan Ki*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 1955.
   Jain, Gayan Chand, *Urdu ki Nasri Dastanain*, Karachi: Anjuman Taraqqi-e-Urdu Pakistan, 2014.
4. Chaudry, Arzu, *Dastaan ki Dastaan*, Lahore: Azeem Academy, Urdu bazar 1988.
5. Husain, Intezar (Editor), *Insha ki do Kahaniyan*, Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 1971.
6. Dehlvi, Mirr Amman, *Bagh-o-Bahar*, Edited by Rasheed Hasan Khan, (Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2016.
7. Farooqi, Nisar Ahmed, *Asaleeb-e-Nasar Per aik Nazar*, Edited by Dr. Zia-ud-din, New Delhi: Idara-e-Fikr-e-Jadeed, Darya Gunj, n.d.
8. Fatehpuri, Farman, Dr, *Urdu ki Manzoom Dastanen*, Lahore: Ganj Shakar Press, 2016
9. Kausar, Shehnaz, Urdu Dastaanon Kay Manfi Kirdar (Aaghaz to 1810), Lahore: Majlis-e-Taraqqi-e-Adab, 2012.

Magazine:

1. *Sir Sydean*, *Pakistani Adab Issue*, 1st May (1981), Federal Government Sir Syed College, Rawalpindi.